انتقالِ اذہان
روشن خیال سوادِ اعظم

تحریر

محمد حسن علی قلندری قادری

ناشر

مصطفائی ادبی اسنگ پاکستان

تحریر

محمد حسن علی قلندری قادری

ناشر

مصطفائی ادبی سنگ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

نام کتابچہ -------- انتقالِ اذہان اور روشن خیال سوادِ اعظم

تحریر -------- خادم الفقراء محمد حسین علی قلندری قادری

بار اوّل -------- رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۲۰۰۵ء

سرِ ورق -------- محمد آصف قادری

کمپوزنگ -------- ورڈز میکر

مطبع -------- میاں جمیل پرنٹرز لاہور

باہتمام -------- مصطفائی ادبی سنگ، پاکستان

۱۰۱- سمن آباد لاہور

ملنے کے پتے

مکتبہ سچل سرمست السچل بلاک B/1 جوہر ٹاؤن لاہور

مسلم کتابوی دربار مارکیٹ لاہور

آستانہ عالیہ حضرت حکیم محمد عنایت قادری نوشاہی ۔گل والا، سرگودھا

مکتبہ انجمن ہیمانی مینشن، جناح روڈ، کراچی

پیش لفظ

ایک دفعہ ایک گدھ اور ایک شاہین بلند پرواز ہوئے اور بلندی پر ہوا میں تیرنے لگے۔ وہ دونوں ایک جیسے ہی نظر آ رہے تھے۔ اپنی بلندیوں پر مست، زمین سے بے نیاز، آسمان کے خوف و خطر سے بے خبر، بس مصروف پرواز، دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ دونوں ہم فطرت نہیں، ہم پرواز کیسے ہو گئے۔

شاہین نے گدھ سے کہا ''دیکھو اس دنیا میں نگاہ بلند، جاں پرسوز، سخن دلنواز، ذوق پرواز اور تندیِ بادِ مخالف کے مقابلہ کے علاوہ اور کوئی بات قابل غور نہیں۔

گدھ نے بھی تکلفاً کہہ دیا ''ہاں'' مجھے بھی پرواز بہت عزیز ہے۔ اور تندی باد مخالف کے مقابلہ کیلئے ہی تو یہ پر مجھے ملے ہیں۔

دورانِ پرواز گدھ نے نیچے دیکھا تو اسے دور ایک مرا ہوا گدھا نظر آیا۔ اس نے شاہین سے کہا ''جہنم میں گئی تمہاری بلند پروازی اور بلند نگاہی مجھے میری منزل پکار رہی ہے''۔ اتنا کہہ کر گدھ نے ایک لمبا غوطہ لگایا اور اپنی منزل مردار پر پہنچ گیا۔ انسانوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ فطرت اپنا اظہار کرتی رہتی ہے۔ فطرت کا تعلق حالات اور تعلیم سے نہیں۔ اس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ اگر فطرت سے آشنائی ہو جائے تو دنیا میں کوئی کسی کا گلہ نہ کرے۔

آج کا انسان چہرے بدلتا رہتا ہے۔ وہ اپنے اصل جوہر کے برعکس زندگی بسر کرنے کی سعی کرتا ہے۔ لیکن اس کی فطرت اس پر غالب آ کر رہتی ہے۔ ہمارے پیشے، ہمارے مرتبے، ہمارے مال، ہمارے اثاثے ہماری فطرت نہیں بدل سکتے۔ کمینہ کمینہ ہی ہوگا۔ خواہ وہ کہیں بھی کسی بھی مرتبہ پر فائز ہو۔ سخی سخی ہی ہوگا خواہ وہ غریب ہو۔

انتقالِ اذہان کے عمل سے بھی ہمیں نہ صرف اپنے معاشرے کے مختلف عہدوں اور کرداروں کے روپ دھار کر پرفارمنس ادا کرنے والے لوگوں کی فطرت کا بخوبی علم

حاصل ہوا ہے بلکہ اس بات کا حساب لگانے کا بھی موقع ملا ہے کہ ہم نے اپنی کتنی قیمتی دولت یعنی وقت کی دولت کو کیسے کیسے لوگوں پر صرف کیا۔ انہیں پروموٹ کیا۔ اپنی زندگی کو ضائع کیا اور ان کی شخصیت کو تعمیر کیا اور وہ لوگ آخر کار ہمیں ہی چھوڑ کر یعنی مادر وطن اور اس مٹی کو چھوڑ کر دیار غیر منتقل ہو گئے اور بلند پروازی کے ذوق کو صرف اور صرف آتش پیٹ کو بجھانے پر قربان کر گئے۔ یعنی بھاگ گئے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے انسانی ذرائع کو ترقی دیں اور اس قیمتی ترین سرمائے یعنی انسانی ذرائع کو دیار غیر منتقل ہونے سے روکیں۔

زیر نظر مضمون میں اس بات کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پاکستان کے عوام کا بڑا حصہ جس تنزلی کا شکار ہو رہا ہے اور روشن خیالی، اعتدال پسندی اور برداشت کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے سے عاری نظر آ رہا ہے تو اس کا بڑا سبب رائے عامہ کے قابل رہنماؤں کی کمی ہے۔ جب تک یہ کمی پوری نہیں کی جاتی تو اس بڑے حصہ کو دنیا کی دوسری اقوام کے ساتھ ساتھ چلانا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

کیونکہ پاکستانی معاشرہ میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے رائے عامہ کے رہنما اس بڑے حصہ کی کماحقہ قیادت کرنے سے محروم ثابت ہو چکے ہیں۔ چھوٹے گروہوں کے یہ رہنما تمام پاکستانی معاشرہ پر بھی کبھی کسی حد تک اثر پذیر تو نظر آ جاتے ہیں مگر ان کی مثبت نفوذ پزیری ہمیشہ سے صفر ہی رہی ہے۔

انتقال اذہان نے پاکستانی معاشرہ کو زندگی کے ہر میدان میں متاثر کیا ہے۔ مگر فکری و اصلاحی میدان میں Brain Drain کا ہو جانا کسی سانحہ سے کم نہیں۔

مگر ہمیں ماضی کے سبق کو بھلائے بغیر مستقبل سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

ذرا نم ہوتی یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

زیر نظر مضمون ہمیں نہ صرف احساس زیاں کروا رہا ہے بلکہ ہمارے حوصلے بھی بڑھا رہا ہے۔

میاں محمد اشرف عاصمی

ڈائریکٹر کمیونیکیشن مصطفائی ادبی سنگ، پاکستان

انتساب

اس ضعیف قلی کے نام

جس نے ساری عمر ریلوے اسٹیشن پر لاکھوں لوگوں کا سامان اٹھایا

اور انہیں ان کی منزلوں کی طرف سفر میں معاونت کی

اور آج بھی اس بڑھاپے میں اسی ریلوے اسٹیشن کو محبت کرتا ہے

اور اسی جگہ پر عزم بیٹھا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتقال اذہان اور روشن خیال سوادِ اعظم

مذہب اسلام کے رحمت اللعالمینی پیغام نے عالم انسانیت کو جس عظمت اور امن سے روشناس کرایا ہے۔ اس کی نظیر ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ آج کی تہذیب یافتہ یورپی اقوام بھی اپنے دور روشن خیال سے قبل جانوروں کی سی زندگی گزار رہی تھیں۔ انہیں روشن خیالی کی لہر سے بھی صرف اسلام کے پیغام نے ہی صحیح معنوں میں متعارف کروا کر اعتدال پسندی، برداشت اور تعلیمی انقلاب کی طرف راغب کیا۔

مگر افسوس عالم اسلام گزشتہ دو صدیوں میں جس دور غلامی سے برسر پیکار رہا ہے اس کے اثرات تا حال پورے عالم اسلام میں آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان ایام غلامی کی سب سے بڑی نشانی ذہنی غلامی کی شکل میں آج بھی مسلم معاشرے کو گھیرے ہوئے ہے۔

مسلم نوجوان آج بھی یورپ کی تقلید کو معاشرتی ترقی کے لیے لازمی قرار دیتے ہوئے اس قدر آگے چلے جاتے ہیں کہ پھر واپسی کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آتا۔ مغربی لادینیت کے جال میں پھنس کر جہاں وہ اپنی عفت و پاک دامنی گنوا بیٹھتے ہیں وہاں وہ اس مدنیت کے معاشی نظام کے جال میں گرفتار ہو کر اپنی شخصی آزادی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ شاید اسی لیے عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ یورپ و امریکہ کی یاترا سے واپسی پر اکثر لوگ عمرہ کی سعادت ضرور حاصل کرتے ہیں کہ شاید وعدہ رحمت وعفو و درگزر ان کے حق میں بھی پورا ہو جائے۔

یورپ و امریکہ کی معاش ترقی سے استفادہ کرنے کا حق ہر اس ضرورت مند کو حاصل ہے جو وہاں جانے کا خواہش مند ہو اور جسے وہ ممالک ویزا دینا چاہتے ہوں۔

ذکر ضرورت مند کا ہو رہا ہے۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جنہیں یوں بیٹھے بٹھائے ہجرت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سب سے بڑا مقصد معاشی فلاح ہوا کرتا ہے۔ یا امن و امان کا مسئلہ کہ جان بچانے کی غرض سے لوگ نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ اول الذکر ضرورت کے شکار ہوتے ہیں۔

جس میں دستکار اور مزدور طبقہ کہ جنہیں اپنے ہاں بہتر اجرت نہیں ملتی وہ زاد راہ کا انتظام کر کے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔

اس قسم کے طبقہ کی نقل مکانی کا معاشرہ پر کچھ خاص بڑا اثر عام طور پر نظر نہیں آیا کرتا۔

دوسری قسم اس پڑھے لکھے طبقہ کی ہے جس کی قسمت میں کلرکی کرنا، ٹیکسیاں چلانا، پیزا ڈلیوری آرڈر بھگتانا اور ہوٹلوں یا سٹوروں پر ملازمت کرنا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کا حال بھی پہلی قسم کے طبقہ جیسا ہی ہوتا ہے۔ مگر مقامی معاشرہ کو زر مبادلہ کی شکل میں کچھ فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

تیسری قسم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں PHD ہولڈرز، سائنسدان، انجینئرز کمپیوٹر پروگرامرز اور ڈاکٹر حضرات شامل ہیں۔ ایسی قابلیت کے حامل افراد کا نقل مکانی کر جانا اس قدر بڑا نقصان شمار کیا جاتا ہے کہ اس عمل کو صرف افراد کی نقل مکانی نہیں بلکہ اذہان کی نقل مکانی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کیونکہ یہی وہ افراد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی معاشرہ اپنی اہمیت اور وقعت منواتا ہے۔ انہیں کے سبب قومیں اپنا حال سنوارتی ہیں۔ ترقی کرتی ہیں۔ دیگر اقوام سے مقابلہ کرتی ہیں۔ محض مقابلہ ہی نہیں بلکہ میدان ہائے جنگ بھی صرف ایسی قابلیت کے حامل لوگوں کے سبب جیتے جاتے ہیں۔

سائنس کا میدان ہو یا علم و حرفت کا صحت و تعلیم اور معاشی و معاشرتی فلاح و بہبود یا سماجی انصاف اور معاشرتی بقاء کا، ان سب میدانوں میں یہی لوگ اپنے دماغوں کا لہو دوڑاتے ہیں۔ تو ہر قسم کی عقدہ کشائیاں وقوع پذیر ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی بنا پر کسی بھی معاشرہ کو معاشرہ کہا جاتا ہے اور معاشروں کے مستقبل محفوظ ہوا کرتے ہیں۔

مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ آخر یہ لوگ معاشروں میں پیدا کہاں سے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیسا ماحول ہوتا ہے جس کے سبب معاشرہ ایسے قیمتی افراد پروڈیوس / تخلیق کرتا ہے اور وہ کون سے عوامل ہوتا کرتے ہیں جو معاشروں کو یہ ماحول مہیا کرتے ہیں کہ ایسے قابل افراد تخلیق کرسکنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اک کردار بہت مشہور ہے جسے لوگ ''ناصح'' یا ''مصلح'' کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُردو ادب کے شعراء تو اس کردار سے بڑے شاکی نظر آتے ہیں مگر یہ کردار ہوتا بڑے کام کا ہے۔ پنجابی زبان کا اک بڑا مقبول محاورہ ہے کہ ''اک عاری تے سو کا ماں''، یعنی عار یا شرم دلانے والا سو آدمیوں کے لیے ایک بھی بہت ہوا کرتا ہے۔

ناصح، نصیحت ضرور کرتا ہے اور اس کی نصیحت وقتی طور پر بری بھی لگا کرتی ہیں مگر بنیادی طور پر وہ ایک پختہ سوچ بچار، تدبر و تفکر اور جہاں بینی کا حامل شخص ہوا کرتا ہے جس نے اپنی قابلیت اور تجربہ کا نچوڑ نہایت ذمہ داری اور خلوصِ نیت کے ساتھ اپنی نصیحت کی شکل میں اپنے معاشرے کے سامنے رکھا ہوتا ہے۔ اس مقصد کیلئے کوئی تصویر، یا کوئی کتاب یا صرف مضمون ہی لکھا ہوتا ہے۔

ایسے لوگ ہی معاشروں کو وہ ماحول مہیا کرتے ہیں کہ جس کے زیر سایہ معاشرہ کے قابل افراد پروان چڑھ کر معاشرہ کی وقتی مضبوطی اور استحکام ہی نہیں بلکہ معاشرہ کے کامیاب و مضبوط مستقبل کی ضمانت بھی ثابت ہوتے ہیں۔

1- دیبل کی بندرگاہ سے اگر ایک اکیلی عورت کی پکار حجاج بن یوسف کو نہ جھنجھوڑتی تو سندھ کو باب الاسلام کیسے کہا جاسکتا۔

2- یاد کریں کہ اگر ایک اکیلے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ اکبر کے دین الٰہی کے مقابلہ میں کھڑے نہ ہو جاتے تو کیسے ممکن تھا کہ اس الحاد کا قلع قمع کیا جاسکتا۔

3- سر سید احمد خان اگر تعلیمی انقلاب کا نعرہ نہ لگاتے تو مسلم لیگ کو پڑھی لکھی قابل افرادی قوت کیسے ملتی اور پاکستان کیسے بنتا۔

4- حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلم امنگوں کی صحیح ترجمانی مؤثر طریقے سے نہ کرتے تو اس وقت کی اسلامی قیادت کو علیحدہ وطن کے مطالبہ پر اور کون قائل کرسکتا تھا۔

5- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جنہوں نے قرارداد پاکستان کی روشنی میں جب جدوجہد کا عزم کرلیا تو پورے ہندوستان کا وہ کونسا مسلمان تھا جو ان کے جلو میں اس جدوجہد میں شریک نہیں تھا۔ ماسوائے چند کانگریسی نوزائیدہ مسالک کے حامل مسلمانوں کے، باقی تمام مسلم معاشرہ صرف ایک مصلح صرف ایک ناصح اور صرف ایک سٹیٹس مین کی آواز پر لبیک کہہ رہا تھا اور وہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی۔

کوئی کتنا ہی بڑا مفکر تھا۔ PHD ہولڈر تھا۔ انجینئر تھا یا ڈاکٹر تھا۔ وہ صرف اسی مصلح اور ناصح کی نصیحت پر عمل پیرا تھا۔ اور آخر پاکستان بن گیا۔ آج کل کی زبان میں ایسے ناصح کو (Opinion Leader) رائے عامہ کا رہنما کہا جاتا ہے۔

پاکستان بیشک بن گیا مگر ہنوز اپنی تکمیل کے مراحل طے کررہا ہے۔ ہنوز اسے باکمال افراد کی ضرورت ہے۔ ہنوز اسے ہنرمندوں کی ضرورت ہے اور ہنوز اسے ناصح و مصلح حضرات کی ضرورت ہے۔ جو کہ رائے عامہ کی صحیح رہنمائی کر کے اس کے افراد کو ترقی کی سمت رواں دواں رکھ سکیں۔ جو سوچیں تو صرف پاکستان کا سوچیں اور اسی کی فلاح اور ترقی کو مقدم جانیں۔ یعنی کسی بیرونی طاقت کا آلہ کار نہ بنیں۔ بلکہ صرف پاکستان کے وفادار ہوں اور اپنی تمام تر ذاتی ترقی اور شخصی عظمت کو کبھی بھی پاکستان سے زیادہ مقدم نہ جانیں۔

مگر افسوس عملی زندگی میں ہمیں یہ عمل نظر نہیں آرہا۔ ابتداء میں ذکر ہوا تھا ضرورت مندوں کا۔ یعنی جو لوگ نقل مکانی کر جاتے ہیں ان کی کوئی نہ کوئی ضرورت ضرور ہوا کرتی ہے۔ جس میں ہم نے تین اقسام کے ضرورت مندوں کا ذکر کیا۔ لیکن کیا یہ بات کسی المیہ یا سانحہ سے بھی بڑھ کر نہ ہوگی کہ کسی معاشرہ کا ناصح یا مصلح اسے چھوڑ کر نقل مکانی کر جائے۔

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ''

یاد کیجیے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کہ جب کفار مکہ نے ہر طرح کی دنیاوی نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہی کہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق اور عملِ نصیحت سے رک سکیں تو آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تو بھی میں

اعلان حق اور اصلاح امت سے نہیں رکوں گا۔ یعنی اپنے مشن اور قوم کو نہیں چھوڑوں گا۔

ہمارے ہاں عجب طرفہ تماشہ ہے کہ ہمارے ہی معاشرہ کا پیدا کردہ اور اسی معاشرہ میں رہ کر علم و تجربہ حاصل کرنے والا اور اسی معاشرہ کا درد سہنے اور سمجھنے والا اور اسی معاشرہ کے درد کا درماں بن جانے والا اور اسی معاشرہ کے مسائل کا حل ڈھونڈ کر لانے والا ہی اپنے معاشرہ کو چھوڑ کر اس مادر معاشرہ اور مادر وطن کو چھوڑ کر نقل مکانی کر جاتا ہے اور قوم کو تنہا چھوڑ جاتا ہے۔ یہ صورت حال صرف Brain Drain انتقال ذہن کی ہی غمازی نہیں کرتی بلکہ زوال امت اور قحط الرجال کی بھی واضح عکاس ہے۔

ایسے لوگ تو از خود معاشرہ اور وطن ہوا کرتے ہیں اگر کسی معاشرہ کے ایسے افراد صرف مالی ضرورتوں، دنیاوی حاجتوں اور لالچ کے پیچھے اپنے آبائی معاشرہ کو چھوڑ جائیں تو بھلا عوام یعنی ہنر مند، دستکار، کاشتکار، مزدور، کلرک، طالب علم، ٹیکسی ڈرائیور، دکاندار، ڈاکٹر، انجینئرز وغیرہ کی تخلیق اور شعوری ترقی کس طرح ممکن ہو سکے گی۔ کون ہوگا جو ان تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو مثبت اور صحیح سمت دکھائے گا کون انہیں اعتدال، سندی برداشت اور روشن خیالی کا درس دے گا۔ معاشرتی انتشار کے سیلاب کے آگے کس کا خطاب کس کی شخصیت بند کا کردار ادا کرے گی۔

جب کسی معاشرہ کے رائے عامہ کے رہنما اسے تنہا چھوڑ جائیں تو اس معاشرہ کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہوتا۔ آج بھی ہمارے معاشرہ میں صرف وہی اقلیتیں وہی گروہ ملکی وسائل سے بہرہ ور ہو رہے ہیں ترقی کر رہے ہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ بن رہے ہیں اور سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں بڑی بڑی تنخواہوں پر براجمان ہیں۔ اسمبلیوں اور وزارتوں کے مزے لوٹ رہے ہیں کہ جن کے ناصح اور مصلحین ان کے قدم بقدم ساتھ ساتھ چلتے آرہے ہیں اور کسی بھی مقام پر انہیں اپنی مشاورت یا اپنے قد کاٹھ کی اہمیت کے سبب کی جانے والی سفارش سے محروم نہیں ہونے دیتے۔ یہاں کیس سٹڈی کے طور پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داعی طلبہ کی ملک گیر کامیاب تنظیم کا ذکر اس نوعیت کی ایک موزوں ترین مثال ہے۔ آج یہ عشق مصطفیٰ کی علمبردار اور اپنی نوعیت کی تنظیموں کی سرخیل تنظیم اور صوفیا کے روشن خیال اور اعتدال پسند سوچ کی حامل یہ طاقتور ملک گیر تنظیم یعنی ATI (انجمن طلبہ اسلام) اندرونی انتشار اور قیادت کے

فقدان کے سبب مرد بیمار کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جس کے سبب پاکستانی معاشرہ میں (Balance of Power) طاقت کا توازن بگڑ چکا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر Brain Drain یا انتقال اذہان کی مہلک بیماری نے جو حال اس تنظیم کے سابقین کی جماعت اور مصطفائی معاشرہ کی علمبردار تنظیم کے ساتھ کیا ہے۔ وہ پورے پاکستان بلکہ مسلم ورلڈ کا ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یعنی اس کے (Office Bearers) بانی اراکین و عہدیداران، اپنی ضرورتوں اور مفادات کے مارے ہوئے۔ اپنے عہدوں سے فراغت حاصل کئے بغیر انتقال اذہان کا شکار ہو گئے۔ اور بغیر کسی سیاسی دباؤ اور مخالفت کے عین تحریک کے عروج کے زمانہ میں ملک سے بھاگ گئے۔ جبکہ ان دنوں ان کے پیچھے لبیک کہنے والوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا عوامی سیلاب موجزن تھا۔ اور مغلوبی جذبات میں اپنے معاشرہ کو اپنے پیچھے کسی "ہارون" کے حوالے کرنا بھی بھول گئے اگر کوئی موسیٰ ہوتا تو ہارون ضرور میسر آجاتا۔ یعنی پیچھے بھی غیر تربیت یافتہ، ضرورتوں کے مارے سرکاری ملازمتوں سے پیار کرنے والے وہ لوگ رہ گئے ہیں جن کی اپنی کوئی آواز ہی نہیں۔ اس کیس سٹڈی کے علاوہ علماء و مشائخ اور صوفیاء اور سجادہ نشینوں کی بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جو کہ مغربی ممالک میں بیٹھ کر تبلیغ دین کے بہانے ڈالر کمانے میں مصروف ہیں۔ جس معاشرہ میں رائے عامہ کے رہنماؤں کا یہ حال ہو اور وہ بھی جو کہ سواد اعظم کی نمائندگی کرتے ہوں تو خود ہی سوچ لیجیے سواد اعظم یعنی بڑا حصہ ہی اگر رہنمائی سے محروم ہو جائے تو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں اعتدال پسندی، روشن خیالی اور برداشت جیسے اسباق پڑھانا پورے ملک کے مزاج کی تربیت میں اور ترقی میں کیا اثر دکھا سکتے ہیں۔

یہ رحمت اللعالمینی تصور ہی ہے جو ہمیں احترام انسانیت، مساوات، انصاف، حصول علم، برداشت، اطاعت امیر، اعتدال پسندی، روشن خیالی، غربت کے خاتمہ، اخراجات میں میانہ روی، دشمن کے مقابلہ میں استقامت اور ہر حال میں صبر کا درس دیتا ہے۔ نہ کہ بھاگ جانے اور فرار اختیار کرنے کا کیونکہ جو قومیں حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے فرار کی راہ اختیار کرتی ہیں وہ کبھی بھی آبرومندانہ وجود برقرار نہیں رکھ سکتیں۔

آج پاکستانی معاشرہ اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لئے جس سیاسی دجال کی

پیروی میں لگا ہوا ہے۔ وہ دجال پاکستانی عوام کو انہیں کے ذرائع سے مستفیض کرنے کے جھوٹے وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے لگا کر ان کی وحدت کو توڑ رہا ہے۔ ان کے بنیادی نظریات (دوقومی نظریہ، قومی یکجہتی کا نظریہ، اسلامی عقائد، صوفی ازم عشق رسول ﷺ، غیرت ملی، محبت پاکستان کا نظریہ وغیرہ وغیرہ) سے عوام پاکستان کو دور کر رہا ہے۔ اس سیاسی دجال کا سب سے بڑا آلہ کار معاشرہ میں کارفرما منافقین یا (Double Agents) ہیں۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ موجودہ دور میں ہر طرح کی سیاسی، سماجی، معاشرتی تقریبات میں محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ اپنے اجتماع اور تعداد کے لحاظ سے ملک کی اوّل درجہ کی تقریب بن چکی ہے، مگر سیاسی عمل میں اس نظریۂ عشق مصطفیٰ ﷺ کے حامل لوگوں کی کوئی قیادت نظر نہیں آتی۔

آج ہم پاکستانی عوام میں برداشت اور روشن خیالی اور اعتدال پسندی پیدا کرنے کی کوشش تو ضرور کر رہے ہیں، مگر ان ذرائع سے جو کہ پاکستانی عوام کے لیے مانوس ذرائع بھی بھی ثابت نہیں ہوئے۔ ان اقلیتی اور نوزائیدہ مسالک کی قیادتوں کو استعمال کیا جاتا ہے جو کبھی تحریک پاکستان کے دنوں میں کانگریس نواز تھیں اور آج فروغِ عشق مصطفیٰ ﷺ اور پیغامِ صوفیاء کی سب سے بڑی دشمن ثابت ہو چکی ہیں۔ اور عوامی حلقوں میں ان نوزائیدہ مسالک اسلام کی حامل قیادتوں کی نفوذ پذیری کبھی بھی مؤثر نہیں رہی۔ تو پھر کس طرح مطلوبہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

معاشرہ کی لاکھ بیماریوں کا ایک علاج یہ ہے کہ قوم کے سامنے اس کا مقصد بڑے مؤثر انداز کے ساتھ واضح طور پر نکھار کر پیش کیا جائے اور مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد پر آمادہ کیا جائے۔ اور یہ آمادگی حقیقی اور سچے محبِ وطن رائے عامہ کے رہنماؤں کے بغیر حاصل کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ جنوں بھی ہے۔

پاکستان اس خطہ زمین پر وجود میں آیا جہاں صوفی ازم کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی۔ پاکستان بجا طور پر صوفی ازم کے پیروکاروں کی کاوشوں اور امنگوں کا مظہر ہے۔ آج بھی ہم صرف اور صرف صوفیاء کے پیغام برداشت اور اعتدال پسندی اور انسانی بھائی چارہ کے سبب ہی پاکستان کو امن اور خوشیوں کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

کیونکہ یہی وہ صوفیاء کرام رحمہما اللہ تھے جنہوں نے برصغیر میں مسلم تشخص کی بنیاد رکھی اور جب کبھی بھی اس جداگانہ تشخص کو خطرہ محسوس ہوا تو یہی صوفیاء کرام ہمیں تاریخ پاک و ہند میں صفِ اوّل میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی کردار اور دوقومی نظریہ کا احیاء کسی سے چھپا ہوا نہیں، صوفیاء کے اسی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف برصغیر کے مسلمان کو نوزائیدہ مسالک کی یلغار سے محفوظ رکھا بلکہ صوفیاء کرام کے لائے ہوئے اسلام کے جداگانہ تشخص کو ہمیشہ اجاگر رکھنے کی کوششیں کیں اور یہی کوشش آگے بڑھ کر عظیم مسلمان صوفی سکالر حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ایک علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کے مطالبہ کے نام سے ادا ہوئیں اور تحریک پاکستان شروع ہوگئی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس اور مسلم لیگ نے مل کر Winning combination بنایا جس نے تمام تر کانگریس نواز اسلامی جماعتوں اور خود کانگریس کو شکست دے کر پاکستان حاصل کر لیا۔

صوفیاء کے کامیاب اور آزمودہ پیغام کو عام کرنے کیلئے ہمیں جہاں ان لوگوں کی ابھی بھی اشد ضرورت ہے جو اپنی اعلیٰ علمی صلاحیتوں اور کامیابی سیاسی مذہبی اور علمی حیثیتوں کے باوجود پاکستانی معاشرہ کو تنہا چھوڑ گئے۔ وہاں ہمیں نئے محبِ وطن لوگوں کی تخلیق بھی کرنا ہوگی جو کہ تمام تر صوفیانہ پیغام امن کے متحمل ہونے کے ساتھ ساتھ وفا اور برداشت کے پیکر بھی ہوں اور ان کی وفا ہمیشہ انہیں یہ احساس دلاتی رہے کہ اگر کچھ ہمسفر ناسمجھ اور سرکش ہیں تو ہوں پر یہ پاک سرزمین تو میری ہی ہے یہ سرزمین وہ ہے جس کی تخلیق کیلئے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی نواز دی وہ سرزمین جسے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری زندگی کا ماحاصل بخش دیا وہ سرزمین جو بابا فرید، وارث شاہ، میاں محمد بخش، رحمن بابا

اور سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہم کے سچے پیغام کی وراثت سنبھالے ہوئے ہے اور وفا شعاروں کو پکار رہی ہے کہ ہے کوئی اس وراثت کا بھار اٹھانے والا۔ وہ وفا شعار یہاں آ کر بسے اور یہاں کے باسیوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت اور ترقی و خوشحالی سوچے نہ کہ یہاں سے فیضیاب ہو کر اسی سرزمین اور اس صوفیاء کے پاک معاشرے کو نوزائیدہ مسالک اور ناکام فلسفوں کے حوالے کر کے بھاگ جائے' دوڑ جائے۔ اور نہ صرف جہاد عالم میں اپنی ناکامی اور فرار کی داستان مشہور کر دے بلکہ ان مقدس ہستیوں کی صحبت اور پیغام کو بھی مخالفین کی نقطہ چینیوں کا نشانہ بنا جائے' ایسے ہی معذوروں کے بارے اقبال نے کہا تھا کہ:

ناں خرید ایں فاقہ کش با جانِ پاک
داد مارا نالہ ہائے سوز ناک

ترجمہ: اس فاقہ کش نے اپنی جان پاک دے کر روٹی خریدی' اس کے طرز عمل نے ہمیں دردناک نالوں پر مجبور کر دیا۔

ملی غیریت وحمیت کے عوض انعامات بانٹنے والا دجال برصغیر کی فضاؤں میں کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے داخل ہوا تھا اور آج ملٹی نیشنل کمپنیوں اور امریکہ و یورپ کے ویزوں اور پیٹرو اِسلام کے نوزائیدہ مسالک کی شکل میں سرعام دیکھا جا سکتا ہے مگر ہماری اکثریت کی حالت بقول اقبال کچھ یوں ہے ۔

ع در دلش "لا غالب الا اللہ" نیست

اہلسنّت کی مذہبی تقریبات کی روز بروز بڑھتی تعداد کو دیکھتے ہوئے پاکستان میں میٹرو اسلام کی نمائندہ اسلامی جماعتوں نے ایک بار پھر کوشش کی کہ وہ پاکستان میں ہونے والی دیگر سیاسی سرگرمیوں کی طرح محافل میلاد کی تقریبات کو بھی اپنے سیاسی مقاصد کیلئے ہائی جیک کر لیں کیونکہ مخالفت کرنے والی سیاسی قیادت موجود نہ ہو تو یہ موقعہ کسی ایسی اسلامی جماعت کے لئے غنیمت سے کم نہیں جس کو اس کے وجود کے روز اوّل سے ہی میٹرو اِسلام کی نمائندگی اور اولیاء کرم وصوفیاء مشائخ کی مخالفت کے سبب تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہو اور وہ جماعت ہر مقام پر صرف اسی مخالفت کے سبب رسواء ہوئی ہو۔ مگر آج اس اسلامی

جماعت کے جید گماشتے Dobule agents کا کردار ادا کر رہے ہیں اور محافل میلاد کی تقریبات میں منتظمین کی حیثیت سے حصہ لے کر عوامی رائے عامہ کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے ہموار کرنے کی کامیاب کوششیں کر رہے ہیں

کہیں کوئی نوزائیدہ مسلک اُٹھ کر اہلسنّت کو یہ احساس کروا رہا ہے کہ عیدین کی نماز تو کھلے میدان میں پڑھنی چاہیے اب اگر اس میں نوزائید مسلک کے پاس مساجد میں نمائندگی نہ ہو تو وہ بھی آخر کیا کرے۔

کسی جگہ صوفیاء کے پر از حکمت اور قرآنی پیغام کو سمجھنے کی بجائے گلوکاروں اور فنکاروں سے سننے کا رجحان بڑھ رہا ہے اور شام قلندر کے نام سے ایسے پروگرام کروائے جارہے ہیں جہاں معتبر صوفیانہ اور غیر اِسلامی حرکات اور ناچ گانا رواج پا رہا ہے۔

کیبل اور نیٹ کیفے وہ طوفانِ بدتمیزی پھیلا رہے ہیں کہ کبھی ماضی میں میوزک اور ویڈیو سینٹروں نے بھی اتنا گند نہیں پھیلایا ہوگا۔

عوام میں حج اور عمرہ کرنے کا رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا ہے مگر اس عمر میں توبہ کا رجحان نظر نہیں آ رہا۔

علماء کرام اور مذہبی رہنما لوگوں سے ملتے وقت سب سے پہلا سوال ان کی حیثیت سے متعلق کرتے ہیں۔

اسلام اور قرآن فہمی اور تصوف کے نام پر تنظیمات تخلیق ہو رہی ہیں۔ علماء نہ صرف نفسیاتی و شخصی اعتدال کھو چکے ہیں بلکہ اپنے متبعین میں بھی اسلام اور قرآن و حدیث کی عظمت کی بجائے اپنے شخصی اقتدار کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور خود ساختہ بڑے بڑے القابات اختیار کر کے عوام الناس کے اذہان پر قبضہ کیے ہوئے ہیں۔

علم کے ہر شعبہ میں مُلائیت اور لادینیت کے علماء آپس میں برسرپیکار ہیں۔ سازش مکروفریب شکایت غیبت ہر دو اطراف کا محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔

آج کا نوجوان یا تو اداس اور متفکر نظر آتا ہے یا سہل اور لا پرواہ۔ اوّل الذکر ملائیت کا ساتھ دیتا ہے اور مؤخر الذکر بھی فراخ دست اور نساہل پسند نوجوان لادینیت کا آلہ کار

بن رہا ہے۔

تعلیمی نظام مختلف طبقاتی تقسیم کا باعث بن چکا ہے اب معاشرتی تقسیم کا معیار نسلی تفاخر کی بجائے لسانی اور تعلیمی بن چکا ہے۔

رائے عامہ کے سچے رہنما آخر کہاں چلے گئے اور ان کی تخلیق کیوں رک گئی۔ وہ کیا سخت اثرات ہیں کہ رائے عامہ کے رہنما کی کھیپ تیار نہیں ہو رہی۔

ہمیں تو رائے عامہ کے ایسے رہبر چاہئیں جن کا اٹھنا' بیٹھنا' سونا' جاگنا' کھانا' پینا' سوچنا' سمجھنا' چلنا' پھرنا' بولنا و چپ رہنا بھی ہر ہر عمل صرف اور صرف اسلام اور پاکستان کیلئے ہو بلکہ یوں کہیے کہ از خود اسلام اور پاکستان ہی ہو ایسا پاکستان جس میں صوفیاء کے پیام امن' روشن خیالی' برداشت' اعتدال پسندی' اسلامی اور خاص طور پر انسانی بھائی چارہ کے خدوخال اور خاص طور پر انسانی بھائی چارہ کے خدوخال نمایاں ہوں۔ ابھی واقعی بڑا اندھیرا ہے اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکستان کے حامی و ناصر ہوں۔

کرم اے شہہ عرب وعجم کے کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ جنہیں تو نے عطا کیے ہیں دماغِ سکندری

علامہ اقبال